رفیق و رہبر
محمد عبدالرحیم درد

رفیق رہبر

درد

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

پہلی بار : ۶۰۰

سنہ اشاعت : ۱۹۸۰ عیسوی

بہ تعاون اردو اکیڈمی آندھرا پردیش

خوش نویس : محمد عبدالرحیم دردؔ

قیمت : سات روپے

طابع : ایکسل فائن پرنٹنگ پریس، محبوب چوک، حیدرآباد

ناشر : فاضل پریس، نیو ٹاؤن محبوب نگر

ملنے کے پتے

* اردو اکیڈمی، آندھرا پردیش۔ سیف آباد
* ایکسل فائن آرٹ پریس۔ حیدرآباد ۲۰
* محمد عبدالرحیم دردؔ۔ صدر مدرس مدرسہ الکوثر۔ محبوب نگر
* فاضل پریس۔ نیو ٹاؤن۔ محبوب نگر
* محمد عبدالحی لکچرار گورنمنٹ جونیر کالج نلگنڈہ

بہ اشتراک اردو اکیڈمی آندھرا پردیش

حیدرآباد

رفیق و رہبر

محمد عبدالرحیم درد مدرس کوڑنگل

رفیقِ رہبر

فہرست

۱	مقدمہ	۶
۲	ہدیۂ تشکر	۱۷
۳	دیباچہ	۱۸
	حصہ اوّل	
۴	طالبِ علم	۲۰
۵	پردیسی طالبِ علم	۲۳
۶	نوجوان اور ماحول	۲۷
۷	طالبِ علم کا چمن	۲۹
۸	علم و عمل	۳۱
۹	جوانی	۳۵
۱۰	کھیلیے	۳۹
۱۱	طالبِ علم کے ارادے	۴۱
۱۲	گزارش	۴۳
	حصہ دوم	
۱۳	مدرس "حال۔ مقام۔ تدریس"	۴۷
۱۴	مدرس کی شخصیت	۵۱

۱۵	ضبطِ جماعت	۵۳
۱۶	خارجی ضبط	۵۵
۱۷	داخلی ضبط	۵۶
۱۸	تعاون	۵۸
۱۹	تدریسِ تاریخ	۶۳
۲۰	مدرسے کے کھیل	۶۴
۲۱	زائد از نصاب مصروفیات	۶۶
	حصہ سوم	
۲۲	اللہ سے التجا	۶۹
۲۳	بے مثل ساقی	۷۱
۲۴	انقلابِ سخن	۷۴
۲۵	بات	۷۸
۲۶	ذرّہ	۸۳
۲۷	پودا	۸۶
۲۸	معمارِ قوم	۸۸
۲۹	وعدہ	۹۰
۳۰	جواہر لال	۹۲
۳۱	غزلیں	۹۳
۳۲	قطعات	۱۰۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

انسان کی شخصیت غیب و شہادت کا مجموعہ ہے۔ جب تک وہ بات نہیں کرتا اس کے غیب ذاتی کا ظہور نہیں ہوتا۔ عام آدمی کی گفتگو، نثرنگار کی عبارت اور شاعر کا کلام، اپنے اپنے غیب کے مظاہر ہیں جس طرح عالمِ شہادت صور و اشکال مختلف ہیں اسی طرح عالمِ غیب میں ہر انسان کی ذاتی قابلیات دوسرے سے ممیز ہیں کسی پر الوہیت یا ملکیت کا پرتو ہے تو کسی پر بہیمیت اور شیطنیت کا عکس۔ بہرحال ایک کا ظہور اس کے بطون کا آئینہ دار ہے۔ فن کے کسی بھی میدان میں ہر فن کار کا یہی حال۔ محمود ہو کہ مذموم ہر ایک اپنی ذات کو ظاہر کرتا ہے۔

شعر کیا کچھ نہیں کرتا۔ غیب کو حاضر کرتا اور غیر محسوس کو محسوس و مدرک بناتا ہے۔ بلکہ احساس و ادراک کے ذریعے شاعر کی ذات کو ہماری ذات تک پہنچا دیتا ہے۔ یہی عمل ذات کی پہچان یا عرفانِ ذات کہلاتا ہے۔

اس تفصیل کا منشا دراصل یہ عرض کرنا ہے کہ فن خود مقصود نہیں بلکہ عرفانِ ذات کا ذریعہ ہے۔ زیرِ نظر مجموعۂ کلام میں بھی خود شاعرِ محترم کی ذات بہ لباسِ شعر سامنے ہے۔

"رفیق و رہبر" تین حصوں پر مشتمل ہے۔ حصۂ اول میں طالبِ علم

کیلئے پُر خلوص قیمتی ہدایات اور حیات آفریں پیامات ہیں ۔ مبالغے کے کسی شائبہ کے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ شاعرِ محترم ہیں ایک پیدائشی معلّم بزمانہ طالب علمی احقر کو محترم موصوف سے شرفِ تلمذ حاصل رہا ۔ چنانچہ حصّۂ اوّل کی بیشتر نظمیں احقر کی تربیّت کیلئے لکھی گئی تھیں ۔ کم و بیش اَب سے ربع صدی پہلے کا یہ سرمایۂ کلام احباب کے تقاضۂ اِشاعت کے باوجود شاعرِ محترم کی طرح کنج نشینِ عزلت بنا رہا ۔ اَچھّا ہو کہ اِتنی دیر بعد سہی اِس کی اشاعت کے اسباب مہیّا ہو گیے ۔

بحیثیت مدّرس شاعرِ محترم کی تربیّت ضلع رائچور کے نارمل ٹیرننگ اسکول میں ہوئی ۔ تربیّت اکثر رسمی ہوتی ہے لیکن شاعرِ محترم کے حق میں وہ حقیقی ثابت ہوئی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں روسو اور اِسپنسر سے پسٹالوجی اور مانٹی سوری تک ہر ایک کے باطن میں جھانکا ہے ۔ بحرِ باطن سے دُر ہائے آبدار چنے ہیں اور اُنہیں سِلکِ شعر میں پرو کر طالبِ علم اور مُعلّم کے گلے کا ہار بنایا ہے ۔

حِصّۂ اوّل میں طالب علم کا نفسیاتی جایزہ لیا گیا ہے ۔ طالب علم کو قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ صفات جمال و جلال کا محلِّ استعمال سمجھاتے ہوئے لکھا گیا ہے ؎

وہ لڑ جو غصب میں بھی رہے پتلا شرافت کا
نہ چھوٹے ہاتھ سے جس کے کبھی دامن صداقت کا
وہ لڑکا جو مجسّم برقِ تاباں ابرِ رحمت ہو
جلا دے دشمنی کو دوستی کی جس سے خدمت ہو

آج ہر قدم پر بھٹکنے والے طالب علم کیلئے نظم "طالب علم کا چمن" خضرِ راہ کا کام کرتی ہے۔ تو نظم "جوانی" افراط و تفریط سے حفاظت کا تریاق ہے بے شمار طلباء کھیل میں گم ہیں کوئی جیت کی خوشی میں گم ہے کوئی ہار کے غم میں گم لیکن شاعرِ محترم نے کھیل کے ذریعہ اخلاق اور سیرتِ انسانی کے جن تعمیری پہلوؤں کا احصا کیا ہے اُن کی افادیت نہ صرف طلباء کے حق میں ناقابلِ انکار ہے بلکہ میدانِ زندگی کے ہر کھلاڑی کیلئے بھی رفاقت و رہبری کا حق ادا کرتی ہے۔ نظم "کھیلئے" میں لکھتے ہیں ؎

سر پھرا ہے نفسِ امّارہ بہت
پہلے اس کا سر کچل کر کھیلئے

جیت کر سر جھکا لینا اور ہار کر سرِ ہمت بلند رکھنا طفلانہ کھیل ہی کا نہیں مردانہ "بازیٔ حیات" کا بھی کمال ہے

رفعت و پستی ہیں جیت اور ہار کی۔
سر جھکا کر اور اُچھل کر کھیلئے

طالبِ علم کے ارادوں کی ترجمانی خود طالبِ علم ہی کی زبان سے اس حوصلہ افزا انداز سے کی گئی ہے کہ وہ دوسروں کو فریبِ مجاز سے نکال کر رموزِ حقیقت کی طرف دعوت دیتا ہوا کہتا ہے ؎

جو گم ہیں فریبِ مجازی میں ان کو
رموزِ حقیقت بتاتا چلوں گا

آخر میں دانشورانِ ملت کو نونہالوں کی رہنمائی کا پیام سناتے ہوئے لکھا گیا ہے
لے خبر فرسودہ تر ہے اپنا تعلیمی نظام گر اُٹھ نئے انداز سے کر اہتمامِ زندگی

نوجواں دراصل جوہر ہیں مگر ہیں کان میں
جوہری ہے تو نہیں دے آب و تابِ زندگی

آگ بھڑکا دے تو اے آتش نوا اس قلب میں
جس میں پنہاں ہے تپش آمادہ تابِ زندگی

"رفیق و رہبر" کے حصّہ دوّم میں مثالی معلّم کے خد و خال کی عکاسی کی گئی ہے ۔ یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ ماحول کی ناقدری نے آج معلّم کو کن رفعتوں سے کیسی پستیوں میں پہنچادیا ہے اور پھر پُر درد و سوز کے ساتھ یہ بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ معلّم اپنی شخصیت کے کن کن پہلوؤں کی تربیّت اور تعمیر کے ذریعہ پھر اپنے مقامِ رفیع پر پہنچ سکتا ہے ۔ معلّم کی شخصیّت، اس کا کام، ضبطِ خارجی و داخلی، اولیائے طلباء سے تعاون، تدریس تاریخ کھیل اور زاید از نصاب مصروفیات جیسے بنیادی عنوانات کے تحت جن خشک علوم تعلیم و تربیت کو اشعار کے قالب میں سمویا گیا ہے اُنہیں مغربی مفکّرین اور ماہرینِ تعلیم کے افکار و اصولِ تعلیم صاف جھلکتے ہیں ہر معلّم ان اصولوں سے استفادہ کر سکتا ہے ۔

"کامیاب مدرّس وہ ہے جو خود کم کام کرے اور بچّوں سے زیادہ کام لے" اس حقیقت کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے ؎

کام لینا اِن سے تیری کامرانی کی دلیل
ورنہ بے جوشِ عمل بے کار ہے سب قال و قیل

معلّم کے معیاری اوصاف کا احصاء کرتے ہوئے کہا گیا ہے ؎

تیرا بچّوں سے تعاون اور تیری مصروفیات
مختصر یہ ہے کہ تیری زندگانی اور ممات

بے غرض ہو قوم کی خاطر ہو اور بے باک ہو
تیرا دل، تیری نظر، تیرا تخیّل پاک ہو

ضبطِ جماعت کی اہمیت اس طرح واضح کی گئی ہے۔ ؎

نظمِ فطرت ہی سے قائم ہے نظامِ کائنات
ضبط کی آغوش میں پلتی ہے دنیائے حیات

ضبطِ خارجی یا سزائے جسمانی کے نقص پر اسطرح روشنی ڈالی گئی ہے ؎

ضبط قائم ہو تو سکتا ہے چھڑی کے زور سے
مار جب پڑتی ہے باز آتے ہیں بچّے شور سے

ضبط یہ موزوں نہیں معیوب ہے، مذموم ہے
اس کا نقصان ہے یقینی، فائدہ موہوم ہے

ضبطِ داخلی کی اس انداز سے ترغیب دی گئی ہے ؎

ضبط احساسِ فرائض ضبط پاسِ دیگراں
ضبط کے سانچے میں ڈھلتی ہے حیاتِ جاوداں

یعنی بچّوں کے حوالے اسطرح ہو انتظام
ضبط کو سمجھیں وہ خود بھی اپنا اک دلچسپ کام

تدریسِ تاریخ کی نزاکت کو اِس دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ مدّعا اور اسلوب دونوں کی وضاحت ہو گئی ہے۔

آیے ہیں ماضی کو مستقبل بنانے کیلئے
اک نئی دنیا دماغوں میں بسانے کیلئے
باتوں باتوں ہی میں سمجھا انکو اسرارِ حیات
تازہ قصّوں ہی میں بھردے ساری کھیلی کائنات
آج ہی سمجھا انہیں رازِ نظامِ زندگی
کیوں کہ کرنا ہے انہیں کل اہتمامِ زندگی

کھیل کی مقصدیّت کو اسطرح اُجاگر کیا گیا ہے۔

سیرت و کردار سازی مقصدِ بازی ہو گر
دردِ بازی گرہ یہی بن جائیں گے لعل و گہر

آخر میں زائد نصاب مصروفیات کی افادیت اسطرح پیش کیگئی ہے

بچے وقت جو کھیل اور کام سے
وہ بچوں کو اس وقت بھی کام دے
وہ کام ایسا جس سے مسرّت بڑھے
لیاقت بڑھے قابلیت بڑھے

کتاب کا تیسرا حصّہ نظموں غزلوں اور قطعات پر مشتمل ہے۔ یہ عمل کی اُس وسیع تر کائنات سے متعلق ہے جس میں بچّہ مکتب کی چاردیواری سے باہر آکر قدم رکھتا ہے یہ قول و فعل اور علم و عمل کے انطباق کا عالم ہے اس حصّہ کی نظمیں ہوں یا غزلیں شاعرِ محترم کے شعورِ پختہ تر کی غمّاز ہیں ایک طرف وہ اُس ماحول کو یکسر بدل دینا چاہتے ہیں جو آثار و آفاق میں گرفتار ہے اور دوسری جانب آنکا انفرادی سفر خوب سے خوب تر کی جانب جاری ہے

طبیعت اِسقدر حساس پائی ہے کہ اُن کے سازِ طبع پر مضراب ماحول کی ہلکی سی چوٹ بھی ارتعاشِ مسلسل کا سبب بنتی ہے۔ ہر خلافِ فطرت بات پر وہ تڑپ اُٹھتے ہیں اور اسی تڑپ کا ردِّ عمل حرف وصوت کے قالب میں ڈھل کر شعر کا سراپا اختیار کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلام میں اکثر تزکیہ النفس کی خاطر چبھن بھی ملتی ہے اور اصلاحِ آفاق کیلئے تلخی بھی۔
چنانچہ نظم "انقلابِ سخن" میں لکھتے ہیں ؎

وہ تازیانۂ برقی ہے شعر محفل میں
کہ جس کی ضرب سے باقی غنودگی نہ رہی
کلام کیا ہے بیانِ تلخ تر حقائق کا
اثر سے جس کے کسی دل میں بے حسی نہ رہی

انکی شاعری نغمہ کم اور نعرہ زیادہ ہے جو ماحول کو سُلاتی نہیں جھنجوڑتی ہے اِحساسِ زیاں دیکر ملّت کا لہو گرماتی ہے مختصر یہ کہ اُن کا ذوقِ سخن بت تراش نہیں بت شکن ہے۔ اسی نظم میں لکھتے ہیں ؎

سُرور و کیف کا سامان شاعری نہ رہی
سخن کی بزم میں رسم صنمگری نہ رہی
اک انقلاب کا نعرہ ہے نغمۂ شاعر
سُلائے قوم کو جو ایسی راگنی نہ رہی

وہ ایسی مستی کے قائل نہیں جو حرکی نہ ہو اور نہ فرائضِ حیات سے روک دیے بلکہ مستی میں ہوشیاری کے داعی ہیں نظم "بے مثل ساقی" میں لکھتے ہیں ؎

بنا کے مست امیروں کو دی ہے فیاضی
پلا کے شانِ غریبوں کو دی امیرانہ

"بات" کے عنوان پر بات کی مختلف قسموں کا جائزہ لیا گیا ہے بات سے پیدا ہونے والے خیر و شر کی وضاحت کی گئی ہے۔ بات کی معراج کا پتہ بتا دیا گیا ہے ؎

بات ان کی بات کی معراج ہے
کل موثر جس قدر تھی آج ہے

نظم "ذرّہ" حقائق و حِکَم کی آئینہ دار ہے۔ ذرّہ کی ذات کمال سے خالی ہے لیکن قبولِ کمال کی قابلیّت رکھتا ہے۔ اِسلیئے محوِ سفر ہے کبھی ہوا کے دوش پر کبھی دریا کی موجوں میں کبھی شاخ پر پھول اور پھل بن کر اور کبھی قطرۂ خونِ انسانی میں شامل ہو کر تسخیرِ کائنات میں مصروف ہے ارتقاء کی آخری منزل میں افلاک سے گزر کر رفعتِ عرش پر دیدارِ جمالِ ذات میں مشغول ہے۔

نظم "نو دا" بھی اِنسانی زندگی کے اخلاقی نشیب و فراز کی ترجمان ہے۔ خاموش عمل کا پیغام سناتی ہے۔

"خیر" جہاں نظر آئے شاعرِ محترم اُسے ملّت کا ورثہ سمجھتے ہیں چنانچہ "معمارِ قوم" "وعدہ" اور "جواہر لال" نظموں میں قوم کے رہنماؤں کے اوصاف کا تذکرہ کیا ہے۔

آخر میں چند غزلیں ہیں۔ قامتِ ظاہری کے اِعتبار سے اِنہیں غزل کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اگر غالب اور حالی نے غزل کی تنگنائے کو

آفاقی وسعت نہ دی ہوتی تو درد محترم کی اس صنفِ سخن کو غزل کا نام دینا بھی مشکل ہوتا۔ بہ ایں ہمہ خال خال سہی رنگ تغزل بھی ملتا ہے یہ غمِ جاناں بھی رکھتے ہیں اور غمِ دوراں بھی۔ لیکن غمِ دوراں کی بنیاد غمِ جاناں پر رکھتے ہیں۔ درد بھی ہیں اور ہمدرد بھی۔ اُن کا درد غمِ جاناں کی تفسیر ہے، اور ہمدردی غمِ دوراں کی ترجمان۔ کائنات اُن کا زینہ ہے اور خالقِ کائنات اُنکی منزل۔ وہ حریم ذات کی جانب رواں ہیں لیکن اکیلے نہیں کارواں کے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ ذیل میں وہ مثالیں درج ہیں جن میں تصوّف کا رنگ غالب ہے۔

اُسی کو ڈھونڈتا ہوں در بدر ہمدم
جو میرے دل میں پایا جا رہا ہے

نفس کا بالنقص عرفاں ہوگیا
دیدۂ حیراں ہے کامل کی طرف

گھٹ کے انساں گدا نہیں ہوتا
بڑھ کے لیکن خدا نہیں ہوتا

تماشا ہے باقی ہیں اضداد مل کر
جُدائی کب ان کی قیامت سے کم ہے

فرش تا عرش ہے سفر ہمدم
راہ میں عرش ہی کی بات کریں

تنہائیوں میں محفل اور محفلوں میں تنہا
گویا خموش ہوں میں ہو کر خموش گویا

یہ وہ مثالیں ہیں جن میں تصوّف کے ساتھ تغزّل کی چاشنی بھی ملتی ہے ـہ

مصیبت کا سبب آیا سمجھ میں
ستا کر مسکرایا جا رہا ہے

میں نگاہِ ناز کا مقتول ہوں
دل ہے میرا اپنے قاتل کی طرف

نظر میری پڑی ہے اُن پہ جب سے
میں سب میں رہ کے بیگانہ ہوں سب سے

میں کبھی لب کشا نہیں ہوتا
حال کیا ماجرا نہیں ہوتا

یہ سمجھاؤں کیوں کر ستم میں کرم ہے
بتاؤں یہ کیسے مسرّت میں غم ہے

وصل و فراق کے ہیں اسدؔ رنجہ تیز دو رے
منظر کوئی نظر میں اظہار تک نہ ٹھہرا

قطعات کا رنگ ملاحظہ ہو ؎

حق سے ہر شئے وصول ہوتی ہے
فکر پھر کیوں فضول ہوتی ہے
دردؔ منزل رہے نگاہوں میں
راہ میں صرف دھول ہوتی ہے

بہ اعتبارِ فن اتنا عرض کرنا ہے کہ کسی فنکار کو خطا سے منزّہ نہیں پایا گیا۔ بشر سے مجرّد ہنر اور حسنِ محض کی توقع رکھنا، بشریت سے انکار اور فرار کے قائل ہونے کے مترادف ہے۔ نقص اور خطا ہی دلیلِ بشرّیت ہے اور کمال و صواب پیرتو الوہیّت ہے۔ ہر شاعر بہر حال بشر ہے۔ بشر ہوتے ہوئے بھی نقص و خطا سے معصوم ہونا صرف ذواتِ انبیاء کا خاصّہ ہے اسی لئے شاعری کسی نبی کا وصف نہیں رہی۔ بحیثیت مجموعی شاعرِ محترم اسم بامسمّٰی ہیں۔ دعا ہے کہ انکا درد، درمانِ ملت بن جائے۔ آمین۔

حضرت دردؔ مدظلہ صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ کلام کی کمیّت کا حال یہ ہے کہ زیر نظر مجموعۂ کلام انکے جملہ سرمایہ کا مختصر نمونہ ہے۔ خدا چاہے تو اِس سے کہیں ضخیم تر کئی مجموعے ترتیب دیئے جا سکتے ہیں۔ اُمید کہ اللہ عزوجل اشاعت کے اسباب مہیّا فرما کر عوام و خواص کے استفادے کی راہیں کھول دینگے۔

المرقوم ۱۱/ جمادی الاوّل ۱۳۹۹ھ
کوڑنگل

الاحقر
محمد عبدالقیوم جاوید غفرلہٗ ایم اے۔ بی ایڈ
لکچرار گورنمنٹ جونیر کالج محبوب نگر

ھدیۂ تشکّر

محترم کبار اور عزیز صغار

کی خدمات میں

بفضلِ خدا جن کی توجّہ خاص اور

پُرخلوص تعاون سے "رفیق رھبر" نے

طباعت کے مراحل طے کئے

شاکر

دربھنگوی

دیباچہ

مقام اپنا پرے ہے آسماں سے
گزرنا ہے ہمیں ہر اک جہاں سے
چلو، اُٹھو، بڑھو اے نوجوانو!
نِکلنا ہے سوئے منزل یہاں سے

دردؔ

رفیقِ رہبر

(حصّۂ اوّل (نو نظمیں)

۱۵۱ اشعار

طالبِ علم اور اُس کے قدر داں کی

خدمت میں

وہ لڑکا جس میں موتی اور جواہر لعل پنہاں ہوں
وہ لڑکا جس میں سرداری کے اوصاف نمایاں ہوں

وہ لڑکا جس کے قبضے میں ہو پرچم فتح و نصرت کا
وہ لڑکا جس سے بیڑا غرق ہو ظلم و جہالت کا

وہی ہے علم کا طالب دعائیں اس کو دیتا ہوں
بہ آغوشِ نظر آئے جو اُسے الفت سے لیتا ہوں

○

اُصل میں تیرا وطن ہے کل جہاں
اور سب انساں ہیں تیرے رشتہ دار

یا یہ دُنیا ہے اک ایسی رہ گزر
ہیں رواں جس میں مسافر بیشمار

راستہ ہے یہ نہایت پُر خطر
گھپ اندھیرے ہیں چھپے ہیں خارزار

علم ہی اس راہ کی قندیل ہے
فیضِ نورِ علم سے بیڑے ہیں پار

علم کا جب نور آدم کو مِلا
نوریوں سے بڑھ گیا یہ خاکسار

علم کی خاطر ہے تو پردیس میں
تیری ہستی کیوں نہ ہو گردوں وقار

مُسکرا کر آفتوں کو جھیل لے
ہنس کے ہمت سے مصیبت کو پکار

عِلم کی خاطر وفورِ شوق میں ○ یونہی طے کر جادہ ہائے خار دار

مت پریشاں ہو خزاں کے دَور سے
دیکھ پوشیدہ خزاں میں ہے بہار

عِلم کا ، ہاں علم کا طالب ہے تو!
اور چیزوں کا نہ کر دل میں شمار

فکر کرنا چھوڑ دے غم بھول جا
یاد کر اَسباق اپنے بار بار

ہو مبارک تجھ کو یہ سَعیٔ سعید
ہو مبارک کامیابی کا مدار

رنگ دے تدبیر کو تقدیر کا
ہے تری تائید میں پروردگار

منقلب کر دے نظامِ زندگی
یوں دکھا جوشِ عمل کے شاہکار
گُنگناتا جا مرے اشعار کو ○ ساتھ لے جا درد کے گلزار کو

نوجوان اور ماحول

دورِ حاضر کے جواں ہیں ایسی موٹر میں سوار
جو بہت خوش رنگ ہے اور دلفریب و آبدار

برق کے مانند جس کی تیز تر رفتار ہے
جو بظاہر پُر کشش، دلکش ہے جوہر دار ہے

شاہراہوں پر گئی طوفاں بپا کرتی ہوئی
جا رہی ہے نوجوانوں سے شکم بھرتی ہوئی

اک ہجومِ حشر ہے اس کے ہر اک اسٹیج پر۔
آ رہے ہیں نوجواں ہی نوجواں ہر سو نظر

کوئی دیوانہ ہے اس کی شوخیٔ رفتار کا
کوئی پروانہ ہے اس رنگیں حسیں گلنار کا

آہ! ان معصوم نادانوں کو علم اس کا نہیں۔
اس سفر کا ہے نتیجہ کس قدر اندوہگیں

کیوں کہ شوفر ہے وہ ظالم دشمنِ ایمان و جاں
دوستی ہے جس کی ظاہر دشمنی جس کی نہاں

جا رہا ہے لیکے دلدل میں پھنسانے کیلئے
یا کسی تاریک گھاٹی میں گرانے کیلئے

اِس کے مقصد کا جنھیں کچھ علم ہے بیتاب ہیں
بند ہیں موٹر میں، مثلِ ماہیِ بے آب ہیں

دل تڑپ اٹھتا ہے میرا یہ نظارہ دیکھ کر
رو رہا ہوں خوف سے خونیں تماشا دیکھ کر

گر کے سجدہ میں دعا کرتا ہوں اے پروردگار
نوجوانانِ وطن ہیں آہ! دشمن کا شکار

یہ ندا آتی ہے اٹھ اے دردمندِ مضطرب
قبضہ اس موٹر کے اِسٹیرنگ پہ کر مردانہ وار

پھر جدھر چاہیگا تو موٹر پلٹتی جائے گی
تیرے ہاتھوں قوم کی قسمت سنورتی جائیگی

طالبِ علم کا چمن

ایک چھوٹا سا چمن رشکِ ارم
جس کا ہر اک پھول گویا جامِ جم

پھول کیا؟ دلچسپ پُر معنی کتاب
جس سے ہوں اہلِ چمن سب فیضیاب

جس میں پنہاں مثلِ بو رازِ حیات
رنگ جس کا شرحِ رمزِ کائنات

وہ چمن سرسبز ہوں جسکے نہال
ڈالی ڈالی پتا پتا خوش جمال

خود نوشتہ کچھ مقالے بھی رہیں
کچی کلیوں کے نظارے بھی رہیں

جوئے غور و فکر ہو دائم رواں
اور تدبّر ہو چمن کا پاسباں

فرش پر سبزہ ہو معلومات کا
اور باتوں میں سماں برسات کا

شبنمِ تابندہ محنت کا عرق
پُر جواہر لعل، موتی سے طبق

خوشنما بوٹے ہوں کچھ اُمید کے
جن کی شادابی ہو قابل دید کے

صبر کی بیلی اطاعت کی کماں
عزم کا ہو سروِ عظمت کا نشاں

پھل ہوں خدمت کے لگے ہر پیڑ پر
جن میں یکجہتی بھی ہو شیر و شکر

لے کے گُل ہائے چمن سے رنگ و بو
شوق سے پی پی کے غنچوں کے سبو

آئے جب اپنے چمن سے تو یہاں ○ اس جہاں کو بھی بنا دے گلستاں

علم و عمل

علم وہ جوہر ہے جسکی آب و تاب
رُخ سے ہر شئے کے اُٹھتا ہے نقاب

علم ہے بیشک وہ نعمت لاجواب
فیض سے جس کے ہے کُل دنیا کتاب

ذرّہ ذرّہ علم کا اک باب ہے
ایک اک نُکتہ دُرِ نایاب ہے

علم ہے وہ رہنما انسان کا
جس سے مِلتا ہے پتہ رحمان کا

اِس سے ہے محفوظ دنیا کا بدن
یہ بدلواتا ہے اُس کا پیرہن

علم ہے بنیادِ ایجادات کی
زندگی ہے اِس سے احساسات کی

روشنی سے اس کی روشن ہے جہاں
اس کی گلکاری سے گلشن ہے جہاں

علم، دولت بے نظیر و بے مثال
اس کے آگے ہیچ ہے ہر گنج و مال

خرچ کرنے سے یہ بڑھتا جائیگا۔
چور کے ہاتھوں نہ ہرگز آئے گا۔

علم ہے مئے اسکی مستی ہوش ہے
اسکی مستی میں عمل کا جوش ہے

جام میں ہر دم جھلکتی جائے گی۔
پیتے جاؤ کے چھلکتی جائے گی

علم وہ چشمہ نہیں جس کا کنار
چشمۂ حیواں ہے اس سے شرمسار

تہہ میں اسکی آسماں کو پاؤ گے
ڈوب کر تاروں سے موتی لاؤ گے

علم کی بادِ بہارِ سُر خُرد
ہر گُلِ سادہ کے حق میں رنگ و بو

اِس کی ساری خدمتیں ہیں رازیں
سوز بھرتا ہے صدائے سازیں

الغرض ہے علم تفسیرِ حیات
علم کی آغوش میں ہے کائنات

علم ہر سانچے میں ڈھل سکتا نہیں
دِل میں سب کے پھول پھل سکتا نہیں

اِس کی خاطر نیک سیرت چاہیئے
شوقِ بے حد اور محنت چاہیئے

شمعِ سوزاں بن کے پگھلیں ہم اگر ۞ نور ہوگا اِس کا دل میں جلوہ گر

علم سے ذی فہم جو عامل بنے
رہ کے سرگرمِ عمل کامل بنے

عِلم ہے گر بے عمل اِنسان میں
ایک لعلِ بے بہا ہے کان میں

پشتِ خَر پر بس کتب کا بار ہے
کیا خبر گُل ہے اُسے یا خار ہے

طالبِ علمو! یہ دیتا ہوں دعا
دے تمھیں علم و عمل دونوں خدا

عِلم کا دے درؔد کے سینے میں ساز
جس سے پیدا دل میں ہو سوز و گداز

درؔد کے ہر شعر میں ہوں وہ نکات
جن سے ہو تفسیرِ اَسرارِ حیات

تاکہ خدمت قوم کی وہ کر سکے ○ ملک کے دامن میں موتی بھر سکے

جوانی

جوانی برق بن کر جب رگ و پے میں سماتی ہے
نئی دنیا بساتی ہے نئے منظر دکھاتی ہے

اُڑاتی ہے جوانوں کو کبھی یہ آسمانوں میں
گرا دیتی ہے لیجا کبھی تاریک غاروں میں

کہیں کیفِ سکوں بن کر کہیں سیلِ بلا بن کر
کہیں شرم و حیا بن کر کہیں ناز و ادا بنکر

کہیں خاکے میں سادہ حسن کے یہ رنگ بھرتی ہے
کہیں عشق و جنوں بن کر کسی کے سر پہ چڑھتی ہے

کہیں آتی ہے لے کر ساتھ ہی اوصافِ شیطانی
کہیں آتی ہے بن کر باعثِ فیضانِ رحمانی

کبھی ذوقِ فقیری بن کے شہزادوں میں آتی ہے
کبھی اندازِ شاہانہ غریبوں کو سکھاتی ہے

کبھی برباد کرتی ہے کسی کی زندگانی کو
کبھی آباد ہی رکھتی ہے یہ انسانِ فانی کو

غرض ہر رنگ میں آتی ہوئی بھاتی ہے ○ ترقی اور تنزل کی نئی راہیں دکھاتی ہیں

نشے میں نوجوانی کے جو بے حد چور ہوتا ہے
متاعِ زندگانی اپنے ہاتھوں سے وہ کھوتا ہے

بہت پُر لطف آتے ہیں نظر عنواں تباہی کے
چمکتے ہیں بظاہر ساز و ساماں روسیاہی کے

سرابِ زندگی کو وہ سمجھ کر چشمۂ حیواں!
حصولِ آب کی خاطر رہا کرتا ہے سرگرداں

نشہ صحرا نوردی ہی میں جب آخر اترتا ہے
تو غافل ہوش میں آکر کفِ افسوس ملتا ہے

گزر جاتی ہے آکر چاندنی جو چار دن کی تھی
بنا دیتی ہے نابینا بھیانک شب کی تاریکی

نہ اب وہ زور رہتا ہے نہ وہ جذبات طوفانی
نہ وہ جوشِ وامنگ و ولولے دل کی جولانی

مقابل میں مگر کہسار ہوتے ہیں مصیبت کے
بلاؤں کی فضا ہوتی ہے اور میدان آفت کے

سنبھلتی ہی نہیں برباد ہو کر زندگی اس کی
ندامت جانگسل ہے فیض ہے شرمندگی اسکی

سوائے یاس و حسرت زندگی سے کچھ نہیں ملتا ○ یہ مرجھایا ہوا نوخیز غنچہ پھر نہیں کھلتا

جوانی کے نشے سے نوجواں جو کام لیتا ہے
وہ بڑھ کر محنت و کوشش کا دامن تھام لیتا ہے

لگاتا ہی نہیں منہ وہ شرابِ عیش و عشرت کو
سمجھتا ہے فریبی عالمِ رنگیں کی رنگت کو

نگاہِ نکتہ رس انجامِ عشرت دیکھ لیتی ہے
حسیں پردوں میں پوشیدہ ہلاکت دیکھ لیتی ہے

فریبِ نفسِ اَمّارہ کی زد سے ہٹ کے چلتا ہے
خرد کی رہبری میں جانبِ منزل نکلتا ہے

ہمیشہ گامزن رہتا ہے شہراہِ ترقی پر
دُرِ مقصود پالیتا ہے سرگرمِ عمل رہ کر

وہ قوم و ملک کی تعمیر کا ساماں کرتا ہے
جواہر، لعل، موتی دامنوں میں سب کے بھرتا ہے

خجل کرتی ہے ماہ و مہر کو تابندگی اس کی
دوامی بن کے رہتی ہے درخشاں زندگی اس کی

کھیلئے

بے خودی سے کیوں مچل کر کھیلئے
کھیلنا ہی ہے سنبھل کر کھیلئے

زندگی کے کھیل کے میدان میں
موت کی زد سے نکل کر کھیلئے

شمع روشن ہو شب تاریک میں
اسطرح محفل میں جل کر کھیلئے

بن کے ہر ناظر کے منظورِ نظر
حسن کے سانچے میں ڈھل کر کھیلئے

تابعِ دستور رہیئے ہر نفس
پینترے ہر دم بدل کر کھیلئے

سر پھرا ہے نفسِ اَمّارہ بہت
پہلے اس کا سر کچل کر کھیلئے

تنگ دامانی تعصّب سے پرے ہو
راستی کی راہ چل کر کھیلئے

رفعت و پستی میں جیت اور ہار کی !
سر جھکا کر اور اچھل کر کھیلئے

عزم و استقلال کی آغوش میں
صبر کے سائے میں پل کر کھیلئے

کھیل ہو اوصاف و کردار آفریں
اس ارادے سے نہ ٹل کر کھیلئے

آنکھ میں الفت ہو دل میں درد ہو
اس طرح سے پھول پھل کر کھیلئے

طالبِ علم کے ارادے

دیا علم یوں جلاتا چلوں گا
جہاں کو منوّر بناتا چلوں گا

جو گم ہیں فریبِ مجازی میں اُن کو
رموزِ حقیقت بتاتا چلوں گا

لہو کو جو گرمائے تڑپائے دل کو
وہ پُر سوز نغمہ سُناتا چلوں گا

مرے دل میں ہے علم کی برق تاباں
سرِ خرمنِ شر گراتا چلوں گا

کروں گا کچھ اس طرح باتیں خدا کی
ہر اک کو خدا سے مِلاتا چلوں گا

ضرورت جہاں بھی ہو قربانیوں کی
وہیں خون اپنا بہاتا چلوں گا

خزانہ مُیَسّر مجھے علم کا ہے
اُسے راہِ حق میں لٹاتا چلوں گا

مَسَرّت قدم میرے چومے گی بڑھ کر
مصیبت میں یوں مسکراتا چلوں گا

بدلتے ہیں تدبیر ہی سے مُقَدَّر
عَمَل کر کے قسمت بناتا چلوں گا

گزارش

طالبِ علم کے مقتدر قدرداں کی
خدمتِ عالیہ میں

اَے کہ ہے تو مرکزِ علم نظامِ زندگی
دے نئے انداز سے ذوقِ پیامِ زندگی

اَے کہ ہے تو مہر اور ماہِ تمامِ زندگی
تیرے قبضے میں ہے علمِ صبح و شامِ زندگی

اَے کہ تو امرت ہے ایسا تشنہ کاموں کے لیے
جس کے ہر قطرہ میں ہے کیفِ دوامِ زندگی

اَے کہ ہے تو شاہرہِ زندگی کا رہنما
راہ رو کو شوق سے بتلا مقامِ زندگی

اے کہ تو اس وقت ایسا شہسوارِ وقت ہے
پنجۂ ہمت میں ہے جسکے زمامِ زندگی

تیری خاموشی اِس عالم میں جمودِ قوم ہے
تری گویائی میں ہے رنگِ خرامِ زندگی

بے خبر فرسودہ تر ہے اپنا تعلیمی نظام
اُٹھ نئے انداز سے کر اہتمامِ زندگی

اِنقلابِ زندگی اے قدرداں ہے منتظر!
دے انوکھے طرز سے درسِ کتابِ زندگی

نوجواں دراصل جوہر ہیں، مگر ہیں کان میں
جوہری ہے تو انہیں دے آب و تابِ زندگی

اے مسیحا ڈوبتی جاتی ہے نبضِ نوجواں
چاہیئے اس کیلئے روحِ شبابِ زندگی

آگ بھڑکا دے تو اے آتش نوا اس قلب میں
جس میں پنہاں ہے پیش آمادہ تابِ زندگی

وقت نازک تر ہے فوراً سونے والوں کو جگا
موت بن جائے گا ورنہ انکا خوابِ زندگی

قدر کے پرتو سے ذروں کو بنا دے آفتاب.

منقلب ہر نوجواں ہو آئے تازہ انقلاب

رفیق و رہبر

حصّہ دوّم (نو نظمیں)

۱۰۰ — اشعار

مدرسین کی خدمات میں

حال

ہو رہا ہے اِس زمانے میں مدرس بھی ہلاک
اس کی حالت ہو رہی ہے دن بدن افسوسناک

کام کرنا ایسی حالت میں بہت دشوار ہے
منہمک ہے کوششِ پیہم میں پھر بھی جانِ پاک

مقام

مَرتے مَرتے بھی یہ دیدیتا ہے جوہر قوم کو
مٹتے مٹتے بھی بنا دیتا ہے بہتر قوم کو
بے حقیقت ، ناتواں کہیے مدرّس کو مگر
مہرِ روحانی ہے کرتا ہے منوّر قوم کو

مُدرّس اور تدریس

قوم کی سیپی میں نہاں پُرضیا گوہر ہے تو!
دل منور جس سے ہو جاتے ہیں وہ جوہر ہے تو

باغباں ہاں گلشنِ اطفال کا ہے باغباں!
تیرے قبضے میں ہے گلشن کی زمین و آسماں

تری ہستی ہے بہارِ گلشن و بادِ خزاں
زہر بھی ہے تیرے سینے میں نہاں

اپنے فن سے کام لے تو محترم معمار ہے
قوم کی تعمیر کا کندھوں پہ تیرے بار ہے

ہوں ترے پیشِ نظر ہر وقت ایسے ہی اصول
جیسے ہوں نوخیز غنچے جیسے خوشبودار پھول

جیسے قبضے میں سپاہی کے نئی تلوار ہو
جیسے کاریگر کے ہاتھوں میں نیا ہتھیار ہو

بادشہ کی بارگہ میں جیسے رہتا ہے وزیر
کارواں کے ساتھ ہو جیسے کوئی عاقل مشیر

کام لینا ان سے تری کامرانی کی دلیل
ورنہ بے جوشِ عمل بیکار ہے سب قال و قیل

مدرس کی شخصیت

کامیابی کے طریقوں پر رہے تیری نظر
جس سے ہوگا قوم کا نخلِ تمنّا بارور

ہو محبّت قوم کی دل میں جگر میں درد ہو
قوم کی خدمت ہو جس کا کام تو وہ فرد ہو

مدرسے میں آکے سب فکر و پریشانی کو بھول
تو جماعت میں رہے یوں جیسے گلشن میں ہوں پھول

تندرستی کا نمونہ بن کے صحّت کو دکھا
اپنی بے لوثی کو اور اپنی قناعت کو دکھا

مستعد ہی رہ توانائی کبھی زائل نہ کر
یعنی پستی کی طرف خود کو کبھی مائل نہ کر

اِتنا ستھرا ہو جماعت میں مدرّس کا لباس
خود بخود بن جائے جو درسِ صفائی کی اساس

ہر ادا مرغوب ہو، دلکش ہو، پُر تاثیر ہو
رہبری کی تیرے ہر انداز میں تنویر ہو

تری ہمدردی ترے اخلاق اور تیرا کلام
تری شفقت سارے بچوں پر بڑوں کا احترام

تیرا بچوں سے تعاون اور تری صفات
مختصر یہ ہے کہ تیری زندگانی ممات

قوم کی خاطر ہو بے غرضانہ ہو بے باک ہو
تیرا دل، تیری نظر تیرا تخیل پاک ہو

ضبطِ جماعت

نظمِ فطرت ہی سے قائم ہے نظامِ کائنات
ضبط کی آغوش میں پلتی ہے دنیائے حیات

بزمِ قدرت خود نمونہ ہے نظامِ ضبط کا
ذرّہ ذرّہ تک مفسّر ہے پیامِ ضبط کا

منضبط حرکات ہیں روحِ روانِ زندگی
جن سے عالم کی ہے یہ پائندگی تابندگی

ضبط کا قانون قدرت یوں سکھاتی ہے ہمیں
وقت کی پابند خود ہو کر دکھاتی ہے ہمیں

موسموں کا یہ تغیّر یہ طلوعِ آفتاب
تیرگیٔ شب درخشندہ ستارے ماہتاب

وقت پر ہیں محوِ تعمیرِ جہانِ شش جہات
اِن کی گردش ہی حقیقت میں ہے دورِ حیات

عقل والوں کیلئے ہے مدرسہ اک کائنات
جس میں فطرت ہے معلّم کاشفِ سرِّ حیات

تیری شخصیّت ہے خود روحِ نظامِ مدرسہ
تیرا نظم دائمی ضبطِ دوامِ مدرسہ

زندگی تیری نمونہ سیرت و اَخلاق کا
تیری ہستی ہے مکمل مدّعا اسباق کا

تو ہے شمعِ بزم جو کچھ ہے تری تنویر ہے
مدرسہ کیا ہے؟ حقیقت میں تری تعمیر ہے

خارجی ضبط

ضبط قائم ہو تو سکتا ہے چھڑی کے زور سے
مار جب پڑتی ہے باز آتے ہیں بچے شور سے

ضبط کا ممکن ہے جھڑکی اور سزا سے بھی قیام
خارجی پہلو ہیں یہ مانندِ تیغ بے نیام

دیکھ کر چھڑیاں رہیگا کب پڑھائی کا خیال
چھوڑ دینگے مدرسہ خوفِ سزا سے نونہال

ضبط یہ موزوں نہیں معیوب ہے مذموم ہے
اس کا نقصاں ہے یقینی فائدہ موہوم ہے

مار، جھڑکی، ڈانٹ اور اِخراج سے بچ کر نکل
ہونہار آجائیں قابو میں کچھ ایسی راہ چل

داخلی ضبط

طرزِ ضبطِ داخلی ہر حیثیت سے خوب ہے
دیرپا ہے دلکش و فطری ہے اور مرغوب ہے

ضبط احساسِ فرائض ضبط پاسِ دیگراں
ضبط کے سانچے میں ڈھلتی ہے حیاتِ جاوداں

یعنی بچوں ہی کے ذمّہ اس طرح ہو انتظام
ضبط کو سمجھیں وہ خود بھی اپنا اک دلچسپ کام

حکمراں ہوں خود وہی حاصل ہو انکو اقتدار
اور سمجھیں تجھ کو، ہے اک مہرباں نگراں کار

اس عمل سے دل میں اُن کے جوش بڑھتا جائیگا
اُن کی خود فعلی بڑھیگی اور سلیقہ آئے گا

سیرت و کردار کی تشکیل ہو پیشِ نظر
تیری مشتِ خاک اُگلے اسطرح لعل و گہر

والدین اور رشتہ داروں سے تعاون بھی رہے
یعنی بچوں کی بھلائی کیلئے ہوں مشورے

قدرتی انداز میں دل پر حکومت چاہیئے
ضبط کی خاطر ہر اک بچے پہ شفقت چاہیئے

مُرتسم ہو قلب پر ایسا ہو اندازِ بیاں
ہاں! مہماتِ ادا مر سر کرے شیریں زباں

منقسم کچھ اسطرح سے مدرسے کا کام ہو
جس سے طلبار کے دماغ و جسم کو آرام ہو

یہ طریقے ہیں اگر کر لے تو اِن کو اختیار
ملک کے دامن میں بھر سکتا ہے موتی بیشمار

تعاون

یہ جہانِ رنگ و بو دلکش ہے حیرتناک ہے
عِلم کے پنہاں خزانے جس میں ہوں وہ خاک ہے

ذرّہ ذرّہ عالمِ رنگیں کا پُر اسرار ہے
یعنی ہر ذرّے کے سینے میں نہاں گلزار ہے

ربطِ پنہاں ہے اساسِ رونقِ بزمِ حیات
ارتباطِ باہمی وجہِ قیامِ کائنات

منفرد کچھ بھی نہیں ہے کیا زمیں کیا آسماں
متحد ہونے میں ان کے گرم ہے بزمِ جہاں

جب زمیں دیتی ہے رس کس بیج اُگتا ہے کہیں
پھر بھی جز شمس و قمر یہ پھول پھل سکتا نہیں

نونہالوں کی ترقّی کا ہے اسی پر انحصار
سرپرستوں اور معلّم میں ہو ربطِ خوشگوار

مل کے دونوں نونہالوں کی نگہبانی کریں
انمیں پیدا خُلقِ والا علیٰ وصفِ انسانی کریں

اِک طرف بچوں کو خود آوارہ گردی ہے پسند
مدرسے کی دوسری جانب فضا ہے قید و بند

اِک طرف بدخُلقیوں کی حوصلہ افزائی ہے
دوسری جانب معلّم خُلق کا شیدائی ہے

اِک طرف جھوٹ اور دغا کے ہیں نمونے سامنے
دُوسری جانب ہیں سب صدق و صفا کے حلقے

اک طرف ہیں گالیاں تکرار جھگڑے بیشمار
دوسری جانب شرافت عزّت اور اعلیٰ وقار

اک طرف گلیاں ہیں اور آوارہ گرد احباب ہیں
دُوسری جانب فقط تعلیم کے اسباب ہیں

اک طرف اندھی محبّت میں تباہی کا وجود
دوسری جانب نصیحت میں ترقی کی نمود

جائے آخر کس طرف معصوم نادان ہونہار
کس کو یہ بادِ خزاں سمجھے کِسے بادِ بہار

فطرتاً اندھی محبّت کی طرف ہی جائیگا
گھر کا یہ ماحولِ بد سر پر تباہی لائیگا

جذبۂ خدمت ترے سینے میں گر بیتاب ہے
جوش ہے، ذوقِ عمل ہے فطرتِ سیماب ہے

اس بُرے ماحول کے ٹکڑے اُڑا سکتا ہے تو
حسبِ خواہش اِک نئی دنیا بسا سکتا ہے تو

سرپرستوں کے تعاون سے بپا کر انقلاب
خوب بن سکتا ہے کوشش سے تری ہر اک خراب

وقتِ فرصت تو عوام الناس سے ملتا رہے
قوم کا چاکِ گریباں اسطرح سِلتا رہے

اِس کی خاطر جلسہ ہائے عام سے بھی کام لے
جس قدر ممکن ہو تدبیریں نئی پیدا کرے

دِل میں کر سکتا ہے سب کے جوشِ خدمت موجزن
یوں سدا سرسبز رکھ سکتا ہے تو اپنا چمن

ملک و مِلّت کی اگر خدمت ہو اس انداز سے
استفادہ کر سکیں گے سب تری پرواز سے

تدریسِ تاریخ

اے معلّم نونہالانِ وطن ہیں سامنے
ہونہارانِ وطن جانِ وطن ہیں سامنے

سامنے جو ہیں وہ پوشیدہ ہے جن کی چمک
ایسے غنچے بند ابھی سینے میں ہے جنکی مہک

واسطے اُنکے بنا ہر سانس کو بادِ صبا
فرض اپنا کر نہایت شوق و محنت سے ادا

تجھ سے اب تاریخ یہ پڑھنے کی خاطر آئے ہیں
اپنے دامن میں گہر بھرنیکی خاطر آئے ہیں

آئے ہیں سننے کی خاطر داستانِ زندگی
کیونکہ بننا ہے انہیں روحِ روانِ زندگی

کھیل موزوں ہے جوانمردی سکھانے کیلئے
جذبۂ سبقت کو، ہمّت کو بڑھانے کیلئے

کھیل میں تعمیرِ سیرت کا اگر انداز ہو
ہر کھلاڑی آج کا کل قوم کا جانباز ہو

صبر اور ایثار کا احساس پیدا ہو اگر
سیکھ لیں گے ملک کی خدمت کا کھیلوں میں ہنر

پڑھنا لکھنا کام ہے اور کھیل بھی اک کام ہے
کھیل سے بے بہرہ جو بچّہ رہے وہ خام ہے

سیرت و کردار سازی مقصدِ بازی ہو گر
دردؔ بازی گر یہی بن جائیں گے لعل و گہر

زائد از نصاب مصروفیات

خزانہ ہے ہر لمحۂ زندگی
کہ ہے ہر نفس بہرِ پایندگی

ہر اک آن ہے وقت تعمیر کا
مدار اِس پہ ہے قصرِ تدبیر کا

جدھر دیکھیے ہیں مصروفیات
انہی سے ہے ہنگامۂ کائنات

یہ کہتا ہے ہر ذرّۂ بے قرار
جو بیکار ہے وہ اجل کا شکار

مُعلّم جو مِلّت کا معمار ہے
جو خدمت کے جذبے سے سرشار ہے

وہ بچّوں کا ہر وقت نگراں رہے
حقیقت میں ان کا نگہباں رہے

وہ بچّوں کو بیکار رہنے نہ دے
بُرائی کے دھارے میں بہنے نہ دے

بچے وقت جو کھیل اور کام سے
وہ بچّوں کو اُس وقت بھی کام دے

وہ کام ایسا جس سے مسرّت بڑھے
لیاقت بڑھے قابلیّت بڑھے

رفیق و رہبر حصّۂ سوم

۱۔ نظمیں ۱۴۴۔ اشعار
۲۔ غزلیں ۸۳ - "
۳۔ قطعات ۲۲ - "

قدردانوں کی خدمات میں

اللہ سے التجا

اے اپنے معلوم کو مخلوق بنانے والے
اے اپنے اعجاز سے مردے کو جلانے والے

شیر بھی سینۂ مادر سے پلانے والے
نعمتیں ساری بتدریج کھلانے والے

میری خاطر ہی عوالم کو بسانے والے
مری خدمت میں ہر اک شئے کو لگانے والے

تھک کے سوتا ہوں بہ آغوشِ کرم چین سے میں
رہ کے بیدار محبت سے سلانے والے

تیرے احسان گناؤں یہ کہاں ممکن ہے
میرا سر تاجِ خلافت سے سجانے والے

مرے محسن ترے اِحسان کا پیکر ہوں میں
سامنے میرے فرشتوں کو جھکانے والے

کیا سجدے سے جو انکار وہ مردود ہوا
دیکھ کے رتبہ مِرا تو قہر بڑھانے والے

بندگی کیلئے تخلیق کیا ہے مجھکو
کہہ کے "عَبْدِی" بڑی اُلفت سے بُلانے والے

مُعترف ہوں کہ بہت جاہل و ظالم ہوں میں
عِلم کے، نور کے فیضان میں لانے والے

تیرے الطاف و عنایات کا ممنون ہوں میں
نفس و ابلیس کی ہر زد سے بچانے والے

اِلتجا دردؔ کی ہے راہِ اطاعت میں یہی
تھام کر ہاتھ چلا مجھکو چلانے والے

بے مثل ساقی

نظر شراب ہے، دِل خُم ہے آنکھ پیمانہ
ہمارا ساقیِ بے مثل خود ہے میخانہ

نہ ہے نصیب کہ اُس میکدے میں جا پہنچے
جہاں نہیں کوئی میکش خرد سے بیگانہ

دو آتشہ تو یہاں کی شراب ہے لیکن!
نہاں نشے میں ہے کیفیتِ حکیمانہ

نشے کے زور نے معیارِ دید کیا بدلا
رہا نہ روئے حقیقت پہ رنگِ افسانہ

نشاط و عیشِ امارت نشے میں چھوٹ گئے
سرور بخش بنی زندگی فقیرانہ

فِدا ہیں رند کچھ اسطرح پائے ساقی پر
نِثار شمع پہ یوں ہو سکا نہ پروانہ

جہاں میں ہو گئی مشہور اس کی دانائی
بنا لیا جسے ساقی نے اَپنا دیوانہ

سرورِ قلب و نظر لے سکا نہ ساقی سے
فریبِ ہوش و خِرد کھا رہا ہے فرزانہ

رنگے ہیں رنگ میں ساقی کے اسطرح میکش
گہر ہوں جیسے صدف کے تمام یکدانہ

نشہ نشے سے اتارا چھڑائی مئے سے مئے
طریقِ ساقیٔ جاں بخش ہے فریبانہ

شرابِ اَمن پلائی ہے جنگ بازوں کو
سرورِ جسم کا بنا شیوہ شریفانہ

بنا کے مست امیروں کو دی ہے فیاضی
پلا کے شانِ غریبوں کو دی امیرانہ

سُرورِ خلق سے تھاما ہے نوعِ انساں کو
نشے میں جہل کے کردار تھا بہیمانہ

پلا وہ فیض کہ رندوں نے بڑھ کے ساقی کو
دیا ہے مال و زر و جسم و جاں کا نذرانہ

کھلا ہے آج بھی اس میکدے کا دروازہ
پئیں وہ جن کو ملا ہے مزاج رندانہ

صلائے عام ہے دُنیا کے میکشوں کیلئے
ہر اک کو درد ملا میکشی کا پروانہ

انقلابِ سخن

سرور و کیف کا سامان شاعری نہ رہی
سخن کی بزم میں رسمِ صنم گری نہ رہی

بیانِ حسن نہ ذکر ادائے معشوقی
گلہ ستم کا ستمگر کی دلبری نہ رہی

نہ استعارۂ گل اور نہ تشبیہِ قمر
رہا نہ وصفِ کمر لب کی پنکھڑی نہ رہی

کہیگا آمدِ محبوب پر نہ اب شاعر
"پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی"

رہا نہ ذکرِ رُخ و زلفِ عنبریں باقی
وہ چاندنی کے تصوّر کی تیرگی نہ رہی

کہانی وصل کی نے داستانِ فرقت ہے
گہر سے اشک وہ گلبارِ سیٔ ہفنسی نہ رہی

چکور و چاند گئے گم ہوئے گل و بُلبل
میرے سخن میں وہ ماضی کی چاشنی نہ رہی

نہ حسن علّت و صنعت نہ وہ غلو بیاں
وہ واہ واہ کی خواہش وہ بے ہمی نہ رہی

بدل گئے ہیں مقاصد بدل گیا عالم
کہ صرف عشق کی خاطر غم و خوشی نہ رہی

ہوئی ہے قوم جو بیدار خواب غفلت سے
نشاط و عیش کی محفل جو تھی جمی نہ رہی

کچھ اس طرح سے اٹھا قوم کا جوان شاعر
کہ قلبِ قوم میں ماضی کی بے بسی نہ رہی

اک انقلاب کا نعرہ ہے نغمۂ شاعر
سُلائے قوم کو جو ایسی راگنی نہ رہی

وہ تازیانۂ برقی ہو شعرِ محفل میں
کہ جس کی ضرب سے باقی غنودگی نہ رہی

عمل کی بات ہے جذبہ عمل کا فکرِ عمل
ہنسی مذاق کی باتیں وہ دل لگی نہ رہی

بڑھا رہی ہے ہر اک فن میں قوم کو آگے
کہ شاعری کیلئے وقفِ شاعری نہ رہی

کلام کیا ہے بیانِ تلخ ترحقائق کا
اثر ہے جس کے کسی دل میں بے حسی نہ رہی

سخن میں ذوقِ عمل کا اثر نمایاں ہے
عمل کے جوش میں باقی فسردگی نہ رہی

چراغ حال میں ہیں چند عہدِ ماضی کے
کچھ اِس طرح سے کہ اب آئیں روشنی نہ رہی

مشاعرے تو ہیں شمعِ مشاعرہ ہے کہاں؟
جو کام تھا وہ رہا رسمِ پروری نہ رہی

یہ اِنقلابِ سخن دردِ دل کے باعث ہے
نہیں ہے درد تو سمجھو کہ آگہی نہ رہی

بات

بات کیا ہے، کشف احساسات کا
آئینہ ہے دل کے الہامات کا

مہرِ افلاکِ تخیّل بات ہے
رمز تارا ہے خموشی رات ہے

مظہرِ کیفیّتِ جذبات ہے
دل کے سوز و ساز کی برسات ہے

سِرِّ سربستہ ہر اک انسان ہے
بات سے ظاہر ہر اک کی شان ہے

بات ہی تاریخ کا آغاز ہے
بات ہی سے منکشف ہر راز ہے

بات ہی سے ہیں کتب خانے بھرے
جس طرح مئے سے ہوں پیمانے بھرے

بات نوحہ بات ہی ہے تہنیت
بات حمد و بات نعت و منقبت

بات ہی تنقید ہے توصیف ہے
تبصرہ ہے ہجو ہے تعریف ہے

طنز کی صورت میں یہ تیزاب ہے
برہمی کی بات اک سیلاب ہے

بن کے نغمہ کیف برساتی ہے یہ
شعر بن کر دل پہ چھا جاتی ہے یہ

شور و غوغا بن کے محشر خیز ہے
سنسناتی گولیوں سے تیز ہے

اِس کی شیرینی ہے شربت میں نہاں
رام ہو جاتا ہے اس سے اک جہاں

تلخ ہو کر زہرِ قاتل بن گئی
جذبۂ نفرت کا حاصل بن گئی

جلوہ گر ہے بات ہی سے خیر و شر
انقلابی اسکا ہر عیب و ہنر

بے عمل کی بات اک بکواس ہے
بدگماں کی بات ہی وسواس ہے

بات کی خاطر ہی جس کی بات ہے
ایسے باتونی کا حاصل مات ہے

بات جس کی جوہرِ کردار ہے
منبعِ جوشِ عمل شہکار ہے

بات سے پیدا ہے روحِ زندگی
ہے یہی کشتیٔ نوحِ زندگی

نشّۂ مے سے سوا جوشِ بیاں
اس کے نمنوں انقلاباتِ جہاں

دُھل گئے دِل مصطفےٰؐ کی بات سے
منقلب عالمِ صفا کی بات سے

مُنہ نبیؐ کا ہے خدا کی بات ہے
بات تسلیم و رضا کی بات ہے

بات اُن کی بات کی معراج ہے
کل موثر جس قدر تھی آج ہے

بات عیسیٰؑ کی ہے وہ عفو و کرم
جس کے آگے سر تشدد کا ہے خم

بات موسیٰؑ کی جلالِ کبریا
بات ہے فرعون کی کذب و رِیا

بات ابراہیم کی باغِ جناں
بات ہے نمرود کی آتش فشاں

بات اسمٰعیلؑ کی ایثار ہے
جس سے ناطق خود چھری کی دھار ہے

بات گوتم کی ہے تنویرِ ضمیر
بادشاہوں کو بناتی ہے فقیر

بات اس کی خیر کی تعبیر ہے
زندگی کے راز کی تفسیر ہے

بات نے گوتم کی جب گرما دیا
دل نے خود اپنے بتوں کو ڈھا دیا

بات لافانی ہے اور موجود ہے
قوتِ سامع مگر محدود ہے

گو فضا میں صوت کی اَمواج ہیں
ہم مگر آلات کے محتاج ہیں

کاش پائیں وہ نئے آلات ہم
سن سکیں ماضی کی جن سے بات ہم

دردِ حاصل پھر ہمیں وہ بات ہو
کشتِ دل کے حق میں جو برسات ہو

ذرّہ

تحیّر خیز ہے عالم میں حق کی جلوہ آرائی
کہ پہلے جس سے ہستی مہرِ عالم تاب نے پائی

نگاہوں کو ملی نورِ بصیرت سے یہ گیرائی
تجلّی مہر کی ذرّے کے آئینے میں نظر آئی

جسے کہتے ہیں ذرّہ مہر پارہ ہے حقیقت میں
جدائی مہر سے ذرّے کی ہے ہنگامہ آرائی

ہوا کے دوش پر محوِ سفر دیکھا کبھی اسکو
کبھی دیکھا اِسے دریا کی رَو میدان میں لائی

کبھی روندا کبھی کچلا کبھی پیسا گیا ہے یہ
رہا ہر حال میں لیکن بلندی کا تمنّائی

گرایا ہے نظر سے کوہ و دریا نے ہواؤں نے
مصیبت کونسی تھی اس سے جو آکر نہ ٹکرائی

مُسَلسَل ضبط سے اس کے مکمل اس کی طاعت سے
بلا ٹلتی گئی آکر تمنا اس کی بر آئی

مَصائب سہہ کے پیہم ہوگیا زرخیز جب ذرہ
زمیں سے چڑھ گیا پودے میں بہرِ زور افزائی

بلندی کی طلب نے گُل بنا کر شاخ پر لایا
مذاقِ دلکشی سے مل گیا سامانِ رعنائی

کنارا کر لیا پھر حسن، رنگ و بو کے عالم سے
سمجھ کر رہ گیے غافل اسے نادان سودائی

سفر ہے زندگی اس کی گزر کر عیش و راحت سے
ثمر میں تخم بن کر آگیا رفعت کا شیدائی

نمو کے جوش میں جذب و کشش کا ایسا عالم تھا
کہ برق آسا تنِ بے جاں میں اسکے زندگی آئی

تقاضا زندگی کا تھا کہ سرگرمِ عمل رہتا
پئے رہ ہوش و خرد فہم و فراست نطق و دانائی

غذا بن کر لہو میں ہو گیا اِنسان کے شامل
یہیں اُس کی خودی نے اَپنی کامل شان دکھلائی

خلیفہ حق تعالیٰ کا بنے یہ دُھن سمائی ہے
اُدھر رفعت پہ نظریں ہیں اِدھر قبضے میں پہنائی

ترقّی کر کے اُس نے خُلق کے معیار اَپنائے
مُیسّر ہو گئی افلاک پر بھی عرش پیمائی

جہانِ مہر میں دیکھا ہے میں نے درد ذرّے کو
دِکھا کر مہر کا پَرتو ہے مصروفِ جبیں سائی

پودا

وہ بیج جو مٹی میں دبایا نہیں جاتا
مِٹتا ہے بہرحال اُگایا نہیں جاتا

قوّت سے زمیں چیر کے پودا نکل آیا
کس بل کبھی مٹی میں دبایا نہیں جاتا

مٹی سے نمی مہر سے لے لے کے حرارت
محنت جو نہ کرتا تو بڑھایا نہیں جاتا

ہو جاتا ہے برسات سے پانی تو فراہم
پینا اُسے پڑتا ہے پلایا نہیں جاتا

حاصل ہیں مسامات کئی بہرِ تنفّس
مر جائے اگر گھُٹ کے جِلایا نہیں جاتا

یہ پھول کھلاتے ہوئے نازاں ہے چمن میں
پھلتا ہے تو سر اس سے اُٹھایا نہیں جاتا

احوال میں پودے کے ہے جب درس بصیرت
کیوں فائدہ پھر اِس سے اُٹھایا نہیں جاتا

قدرت کے قوانین کا پابند نہیں جو
فطرت کی سزاؤں سے بچایا نہیں جاتا

پستی سے خودی جس کی ابھرتی نہیں خود ہی
دب کر یونہی مرتا ہے جِلایا نہیں جاتا

آفات سے ٹکرا کے جو بڑھ جائے نہ آگے
غالب اُسے دنیا میں بنایا نہیں جاتا

پیغامِ عمل پا کے بھی غفلت میں رہے جو
میدانِ عمل میں اُسے لایا نہیں جاتا

وہ نیک جو اوروں کو نہ اپنا سا بنائے
پہلوئے بقا اس میں بھی پایا نہیں جاتا

یہ درس بھی آورد ہے پودے کے عمل میں
ہنگامِ عمل شور مچایا نہیں جاتا !!

معمارِ قوم

قوم صدیوں سے غلامی کی جہاں خوگر ہوئی
بے بصر، بے بس ہوئی، غارتگرِ جوہر ہوئی

روز افزوں تھا تجاہُل کا تغافُل کا اثر
بند گویا ہو گیا تھا دیدہ، معنی نِگر

آہ! نادان قوم ظاہر ہی میں تھی الجھی ہوئی
بات باطن کی نہ کہتا تھا کوئی سلجھی ہوئی

ایک ہنگامہ بپا تھا جذبۂ گفتار سے
بے رخی تھی عام حسنِ سیرت و کردار سے

دِل شکستہ پست ہمّت منتشر افکار تھے
قوم کے افراد باہم برسرِ پیکار تھے

روح فرسا جانگسل منظر تھا اک تخریب کا
سرزمینِ ہند کیا تھی گھر تھا اک تخریب کا

ایسے عالم میں اُٹھا معمار اک گجرات سے
جیسے روشن دن نکل آئے اندھیری رات سے

دیدہ ور تھا ظاہر و باطن پہ تھی جسکی نظر
قوم کے بدلے ہوئے حالات سے تھا باخبر

وہ دلوں کو جوڑنے والا عجب فنکار تھا
جس کی باتوں میں جھلکتا جوہرِ کردار تھا

قوم پر سب کچھ لٹا کر رہبری کرتا رہا
جان کی بازی لگا کر رہبری کرتا رہا

چشمِ ظاہر بیں کو پلٹایا ہے باطن کی طرف
قوم کو اپنی بلایا رات سے دن کی طرف

صاف لفظوں میں سنایا دشمنِ جاں کون ہے
اور گولی کھا کے بتلایا مہرباں کون ہے

تنگیِ دل کو تعصب کو عدو فرما دیا
ظلم کو ظالم کے حق ہی میں بُرا ابتلا دیا

زورِ اہمسا کا دکھایا ہے کچھ اس انداز سے
ناتوانوں کو حکومت مل گئی جانباز سے

جان دیکر قوم کی تعمیر میں مشغول ہے
دردِ دل ہے خونچکاں سینے پہ رنگیں پھول ہے

وعدہ

تڑپ اٹھی دفورِ شوق میں برقِ تمنا جب
تلاطم خیز طوفانوں میں کشتی کا اٹھا لنگر

بڑھی جاتی ہے ٹکراتی ہوئی مخدوش موجوں سے
مہارت ناخدا کی دید کے قابل ہے ہر منظر

مسافر کہہ رہے ہیں مشکلیں آسان کر دینگے
بڑھے جا ناخدا ہم جان بھی قربان کر دینگے

قیامت خیز طوفانوں کی پروا کیا کریں اب ہم
کہ ایسے سیکڑوں طوفاں ہمارے دیکھے بھالے ہیں

کلیجا چیر دے موجوں کا جو کشتی ہی ایسی ہے
ہمارا حال ہے یہ ناخدا پر دل سے شیدا ہیں

چلی گرداب سے کشتی پھنسے گرداب چکر میں
رواں کشتی ہوئے منزل رہے سیلاب چکر میں

سمندر بھی ہمارا، اور ساحل بھی ہمارا ہے
ہمارے بس میں ہیں طوفان اور آندھیاں ساری

ہمارے عزم اور قوت کا اندازہ نہیں ممکن
عوامی جوش و جذبہ ہر زمانے میں رہا بھاری

تڑپ کے زور سے ہم سدِ رہ کو توڑ سکتے ہیں
اِشارے ہی سے طوفانوں کے رخ کو موڑ سکتے ہیں

ہم اپنے ناخدا کو، اور کشتی کو بچائینگے
وفاداری کے قربانی کے نظارے دکھائینگے

بہا کر ہم لہو تاریخ کو رنگیں بنائینگے
لگا کر جان کی بازی ہم اپنے سر کٹائینگے

نہیں ہے فرق قول و فعل میں ثابت یہ کر دینگے
گہر امن و اماں کے ہند کی کشتی میں بھر دینگے

جواہر لال

تو نے واضح کر دیا اپنا مقامِ زندگی
زندگی تیری ہے اب گویا پیامِ زندگی

بن کے جوہر تو نے دکھلائی چمک اجوال کی
جلوہ گر جس سے ہوا رنگِ نظامِ زندگی

بات پیغامِ عمل تیری ہے تُو وقفِ عمل
تیرا قول و فعل ہے جوشِ خرامِ زندگی

ایک موتی سے جواہر لال ظاہر ہو گئے
صبحِ تاباں ہیں جواہر، لال شامِ زندگی

کیا بتاؤں کس بلا کی ہے کشش کردار میں
بن گیا کردار ہی گویا زمامِ زندگی

تیرے منصوبے تری فکرِ رسا، جوشِ عمل!
ہند میں قائم ہے اِنسے اِہتمامِ زندگی

دردِ فکرِ قوم ہے دل میں جواہر لال کے
بادۂ الفت سے ہے لبریز جامِ زندگی

غزلیں

کہا میں نے کہ بے پردہ مجھے جلوہ دکھاتا جا
کہا اُس نے خود اپنی آنکھ سے پردہ اُٹھاتا جا

کہا میں نے کہ حسنِ بیکراں تک کسطرح پہنچوں
کہا اُس نے حریمِ ذات کی راہوں پہ آتا جا

کہا میں نے کہ فیضِ حسن سے محروم کیوں ہوں میں
کہا نفسِ ہوس پرور کو پہلو سے ہٹاتا جا

کہا میں نے برنگِ کربلا بھی ہے کرم تیرا
اشارے سے بتایا راز ہے اسکو چھپاتا جا

کہا میں نے کہ حسنِ خُلق سے الفت نہیں ہوتی
کہا اُس نے کہ معیارِ نظر اپنا بڑھاتا جا

کہا میں نے مٹانے کیلئے مجھ کو بنایا ہے
کہا اُس نے اِسی احساس کو اپنے مٹاتا جا

کہا میں نے دعا سے درد کیوں پیدا نہیں ہوتا
کہا اس نے کہ دل کو درد کے قابل بناتا جا

کھلونوں سے کھلایا جا رہا ہے
تجھے اے دل لبھایا جا رہا ہے

فریبِ ہستیٔ موہوم ہے یہ
تماشا سا دکھایا جا رہا ہے

خرد محدود، دل ناداں دیکر
مجھے کیوں آزمایا جا رہا ہے

جہاں سے میں نکلوایا گیا تھا
وہیں پھر اب بُلایا جا رہا ہے

رہِ پُر پیچ و خَم پر کارواں کو
اِشاروں سے چلایا جا رہا ہے

نظر کے سامنے منزل ہے روشن
کوئی قدموں سے چِمٹا جا رہا ہے

مصیبت کا سبب آیا سمجھ میں
ستا کر مسکرایا جا رہا ہے

اُسی کو ڈھونڈتا ہوں دردِ پیہم
جو میرے دل میں پایا جا رہا ہے

ہو گیا ہے رُخ مرا دل کی طرف — جا رہا ہوں اپنی منزل کی طرف

اہلِ ساحل دیں دُعائیں شوق سے — پھر نہ آؤں گا میں ساحل کی طرف

کیسے لَوٹوں عالمِ پُر نور سے — باد، آتِش، آب اور گِل کی طرف

تیر نظروں کے برستے ہی رہے — پر نہ آیا کوئی محمِل کی طرف

میں نگاہِ ناز کا مقتول ہوں — دل ہے میرا اپنے قاتل کی طرف

ہو نہ جائے مضمحل ذوقِ سفر — اک نظر اے برق حاصل کی طرف

نَفس کا بالنّقص عرفاں ہو گیا — دیدۂ حیراں ہے کامِل کی طرف

فضل کا ایقان کامِل ہو اگر — دیکھئے کیا مدِّ فاضِل کی طرف

درد کا ہر آن میں ممنون ہوں
اِس مسیحا کا ہے رُخ دل کی طرف

ہُو

تڑپ ہے قلب میں صدقِ طلب سے
زباں کھلتی نہیں حسنِ ادب سے

نظر میری پڑی ہے اُن پہ جب سے
میں سب میں رہ کے بیگانہ ہوں سب سے

بیانِ مدّعا کیوں کر ہو لب سے
نہ پوچھو ماجرائے روز و شب سے

مِلا ہے درسِ عبرت بولہب سے
ہوا برباد اپنے ماکسب سے

یونہی توبہ شکن فطرت ہے کب سے
یہی ہر بار وعدہ ہے کہ اب سے

مُسبّب ہو گیا ظاہر سبب سے
ہوا مربوب واقف اپنے رب سے

مِلا ہے دردؔ کیا فخر نسب سے
مِلا سب کچھ تجھے اُمّی لقب سے

دل اگر آئینہ نہیں ہوتا
حسن جلوہ نما نہیں ہوتا

ہیں کبھی لب کشا نہیں ہوتا
حال کیا ماجرا نہیں ہوتا

گھٹ کے انساں کیا نہیں ہوتا
بڑھ کے لیکن خدا نہیں ہوتا

دل ہی جب ماسوا نہیں ہوتا
آپ سے میں جدا نہیں ہوتا

جس کا وعدہ وفا نہیں ہوتا
وہ مرا دلربا نہیں ہوتا

جس کو اپنا پتہ نہیں ہوتا
آپ سے آشنا نہیں ہوتا

صرف احساس کی قیامت سے
ورنہ محشر بپا نہیں ہوتا

فعلِ عبث ہے کہنا خالی — فاتح قوم ہے کرنے والی

کرنا مشکل کہنا آساں — کرنے کی ہے شان نرالی

"مَن آنم" کردار کا جلوہ — "پدرم سلطاں" خام خیالی

کہہ دینا ہے دعویٰ باطل — کر لینا شہکار مثالی

کرنا پھولتا پھلتا پودا — کہتے رہنا سوکھی ڈالی

کرنا ہے تعمیر کا ساماں — کہنا خود تخریب کی پالی

کرنے کا انجام ہے اعلیٰ — کہنے کا ہے پھل پامالی

کرنے کا بھرپور ہے دامن — کہنے کی جھولی ہے خالی

کرنے کا جلوہ ہے سخاوت — کہنے کی صورت ہے سوالی

کہنا ہے ایماں کا تقاضا — کہتے رہنا کفر خصالی

کرنے کا اک حال فرشتے — شیطاں کا انکار ہے قالی

دارِ عمل ہے دہر یہ دنیا — مانگ دعائیں بھی احوالی

یہ سمجھاؤں کیوں کر ستم ہیں کرم ہے
بتاؤں یہ کیسے مسرّت میں غم ہے

خزاں میں بہاروں کی ہے آن پنہاں
خزاں کی بہاروں میں شانِ اتم ہے

یہ آغوشِ شر ہے جہاں عیش و عشرت
وہیں پہلوئے خیر میں کیوں الم ہے

تباہی کا سایہ ترقی کے سر پر!
ترقی تباہی کے زیرِ قدم ہے

جو پانی میں ہے آگ بجلی کی صورت
بخارات ہیں آتشیں اُن میں نم ہے

تحیّر کے عالم میں بس اِک تجلّی
تفکّر میں دنیائے نور و ظلم ہے

تخیّل میں ساکت ہے گویا زباں بھی
خموشی میں ناطق زبانِ قلم ہے

رہو

جدا ہیں شفا و مرض دیکھنے میں
مگر ایک میں ایک در اصل ضم ہے

نرالا ہے اک ربط امن اور جنگ میں
نہو ایک تو دوسرا بھی عدم ہے

جہاں سر قلم ہو کے جس کا گرا ہے
وہیں نام کا اُس کے اونچا عَلَم ہے

جسے سُم سمجھتے ہیں تریاق ہے وہ
جو تریاق ہے وہ حقیقت میں سُم ہے

خرد پر کُھلیں کیسے اسرارِ حکمت
مسلسل نظارے سے آنکھوں میں دم ہے

تماشا ہے باقی ہیں اضداد مل کر
جُدائی کب اِن کی قیامت سے کم ہے

نہاں درد ہے بند مٹھی میں دل کی
اِسی بند رہنے میں اُسکا بھرم ہے

تو

○

تا بہ کے ہم پرائی بات کریں حق تو یہ ہے کہ اپنی بات کریں

سوچ لیں پہلے دِل کی بات کریں کیوں عبث این و آں کی بات کریں

کیوں ہوسِ خام کی سی بات کریں کوئی اکسیر جیسی بات کریں

گفتگو سے سکوت اچھا ہے جب نہ سمجھیں کہ کیسی بات کریں

بھول جانا محال ہے جس کو صرف اُس یاد ہی کی بات کریں

دل کی دُنیا میں انقلاب آئے باتوں باتوں میں ایسی بات کریں

جس سے معراجِ آدمیت ہے بس اُسی آدمی کی بات کریں

فرش تا عرش ہے سفر ہمدم! راہ میں عرش کی ہی بات کریں

رہِ پُرخار لالہ زار بنے

خوں چکاں درد کوئی بات کریں

ہو

اک زندگی عبادت اک بندگی تماشا
اسرار کھل رہے ہیں یا انقلاب آیا

تنہائیوں میں محفل اور محفلوں میں تنہا
گویا خموش ہوں میں ہو کر خموش گویا

خود اپنی زندگی سے ہوں مطمئن یہ سن کر
مرحوم کہہ رہے ہیں مجھ کو مرے احبا

دنیائے شاعری ہی منزل نہیں ہے میری
لیکن یہاں سے ہو کر میں فیضیاب گزرا

وصل و فراق کے ہیں اسٹیشن تیز دوڑے
منظر کوئی نظر میں اظہار تک نہ ٹھہرا

اُس راہ پر نمایاں روشن نقوش پا ہیں
جس راہ پر تڑپ کر میں چل پڑا اکیلا

کیا اُن کو دل دکھاؤں جو چارہ گر نہیں ہیں
اے درد دیکھتا ہے ہر حال میں مسیحا

قطعات

○

نازک سا اک چراغ ہے سینے میں دل نہیں
ہلکی سی پھونک ہی سے نہ خاموش ہو کہیں
گھر کا چراغ ردّ ہوا جس کے گھر میں گُل
سمجھو اسے اپنے مکاں میں وہ مکیں!!

○

حق سے ہر شے وصول ہوتی ہے
فکر پھر کیوں فضول ہوتی ہے
درّد منزل رہے نگاہوں میں
راہ میں صرف دھول ہوتی ہے

من بھی میرا ہے اور مرا تن ہے
اک نشیمن ایک گلشن ہے
اس کی خاطر بھی درد کچھ کر لے
طائرِ جان و تن جڑ میں بن ہے

کرو نیکیاں جتنی تم چاہتے ہو
مگر ان کا احساں نہ غیروں پہ رکھو
کہ نیکی تمہاری تمہارے لیے ہے
کبھی اپنی شے کو پرائی نہ سمجھو

سرکو

جہاں ظلم کی رَد میں بہنا پڑیگا
وہیں ظلم پھر تم کو سہنا پڑیگا
بنیگا جہنّم یہی ظلم اک دن
اِسی میں سدا تم کو رہنا پڑے گا

اَندھوں کو دکھانا مشکل ہے
بہروں کو سُنانا مشکل ہے
اور اِس سے سوا گمراہوں کو
شہراہ پہ لانا مشکل ہے

ہرو

نغمات سُنانا آسان ہے
مستوں کو نچانا آسان ہے
ہر سیدھے سادے اِنساں کو
مظلوم بنانا آساں ہے

تخریب کے دھندے آساں ہیں
تعمیر کی محنت مشکل ہے
اُفتادِ جہنّم میں آساں
پروازِ بہ جنّت مشکل ہے

ہُو

سب مائل ہیں آساں کی طرف
مشکل سے گریزاں سارے ہیں
مشکل کو بنائیں جو آساں
شہزور وہ سب کے پیارے ہیں

جب کھلی آنکھ تو منہ بند ہوا
ہو گیا چپ جو خردمند ہوا
لذّتِ دیدبیاں ہو نہ سکی
دیدہ ور دیدہ ہی پابند ہوا